مولانا بدر الحسن القاسمی صاحب
ایڈیٹر الداعی واستاذ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند
اور
عالم عرب

عرب دنیا سے کسی دینی اور تعلیمی ادارہ کی وابستگی کا اس وقت جو مفہوم ہوگیا ہے۔ یا جو جذبہ عام طور پر اس تعلق اور وابستگی کے پس پردہ کارفرما ہوتا ہے۔ اس سے دارالعلوم کے ذوق و مسلک یہاں کی مخصوص روایات اور سب سے بڑھ کر ان بلند اصولوں کو کوئی مناسبت نہیں ہے جو اس ادارہ کا سرمایۂ امتیاز ہیں۔ اور نہ دارالعلوم کے طریق کار میں اتنی لچک ہے کہ کسی وقتی غرض و مقصد کے تحت ہر طرح کے رجحان سے ذوق و ہم آہنگی پیدا کی جاسکے۔ چنانچہ آج کے دارالعلوم کا رشتہ باہر کی دنیا سے برائے نام ہی رہا ہے۔ اور میری نظر میں اس کے اندر ہر طرح کے خیر و فلاح کا راز مضمر ہے۔ اس سلسلہ میں پچھلے چند برسوں سے جو منافست کی فضا مختلف اداروں کے مابین پیدا ہوگئی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان اداروں کے کردار کے لئے اس کی حقیقت سم قاتل سے کم نہیں ہے۔

البتہ دارالعلوم دیوبند کو جنوب مشرقی ایشیا کی تمام دینی تعلیم گاہوں پر جو شرف و امتیاز حاصل ہے اس کے فیض و اثر کا دائرہ جتنا وسیع ہے اور اس کی خدمات جتنی ہمہ جہت ہیں انہیں دنیا کے سامنے صحیح اور حقیقی صورت میں ضرور آنا چاہئے۔ اس طرح علماء دیوبند کے جو علوم اب تک سربمہر چلے آرہے ہیں انہیں ضرور عام ہونا چاہئے اور عرب دنیا کے علمی و دینی مراکز سے ثقافتی اور علمی تعلقات ضرور قائم ہونے چاہئیں۔ اس مقصد کے لئے کئی سال سے جد و جہد جاری ہے اور اس کے مفید نتائج و ثمرات بھی سامنے آرہے ہیں۔

ہماری نظر میں دارالعلوم دیوبند کی حقیقی اور واقعی صورت اتنی موہنی ہے کہ اس کو کسی طرح کی مشاطگی کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۱۷ سال کی خاموش اور بے لوث علمی دینی خدمت اور دین کی سربلندی کے لئے مخلصانہ جد و جہد ہمارا وہ سرمایہ ہے جس سے ہمارا سر عزت و افتخار سے اونچا ہوجاتا ہے۔ ہمیں کسی بھی مرحلہ میں تاریخ سازی یا

فن کاری کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

پوری ایک صدی سے دارالعلوم دیوبند کو دینی حیثیت سے جو امامت وسیادت کا مقام حاصل ہے اور عوام کو شیفتگی اس مرکز علم واخلاص سے ہے اس کا روح پرور نظارہ صد سالہ اجلاس کے موقع پر سامنے آچکا ہے جسے دیکھ کر عرب وعجم کے سبھی شرکاء، وانگشت بدندان تھے۔ کہ کسی تعلیم گاہ کے ساتھ اس والہانہ عقیدت ومحبت کا غالباً تاریخ میں پہلی مرتبہ سامنے آیا ہے۔

جہاں تک عرب دنیا کا تعلق ہے تو دارالعلوم دیوبند کو ممتاز اہل علم کے طبقے میں ایک اہم علمی مرکز کی حیثیت سے ہمیشہ جانا جاتا رہا ہے۔ اور دارالعلوم کے فیض واثر سے مصر وشام اور حجاز مقدس تک کی سرزمین خالی نہ رہی تھی اور اب تو دنیا کے بیشتر ممالک میں دارالعلوم کا نام لینے والے ایک معتدبہ تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن اب سے بہت پہلے مصر کے نامور مفکر اور مشہور عالم دین علامہ رشید رضا کو برصغیر میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا اگر کوئی سامان نظر آیا تھا تو وہ دیوبند کا ہی مرکز علم وعرفان تھا۔ اور خاص علم حدیث کی نشر واشاعت اور تعلیم وتدریس کی شہرت کا شہرہ اتنی دور دور تک انیسویں صدی کے بالکل ابتدائی سالوں میں پہنچ چکا تھا کہ پروانہ وار دنیا کے مختلف خطوں سے علم واخلاص کے شیدائی آنے لگے تھے۔ اور حدیث کے موضوع پر دیوبند کے علماء کی تصنیفی خدمات کا چرچا ہونے لگا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ بعض حلقوں کی طرف سے دارالعلوم کے طریقۂ کار علماء دیوبند کے عقیدہ ومسلک سے لوگوں کو برگشتہ رکھنے کی مہم جاری رہی کیونکہ دارالعلوم کا سطح پر نمایاں ہوکر آنا فی الحقیقت ان حلقوں اور اداروں کے لئے موت کے مترادف تھا اور کسی نہ کسی صورت سے یہ منفی عمل آج بھی جاری ہے۔ بلکہ بعض وجوہ واسباب کی بناپر اس میں کسی قدر شدت بھی آگئی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جھوٹ کو دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور نہ حقائق کو زیادہ دنوں تک نگاہوں سے چھپایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آج ایک دنیا ہے جو دارالعلوم کو جانتی ہے اور اس کے کارناموں کو برصغیر کی علمی دینی تاریخ کا سب سے زریں باب تصور کرتی ہے۔ مجھے خود اپنے غیر ملکی سفر کے دوران اس کا بار بار تجربہ ہوا۔ ریت کی وہ عمارت جو دارالعلوم کے خلاف قائم کی گئی تھی وہ اب بتدریج اپنے انجام کو پہنچتی جارہی ہے۔ اور اگر مثبت عمل کا سلسلہ اپنی طرف سے جاری رکھا گیا تو خود بخود سارے غبار چھٹ جائیں گے۔

البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے بعض اہم اور مثبت قدم اٹھائے۔ اور خصوصیت کے عصر حاضر کی زبان میں تصنیف وتالیف کے ذریعہ دین اور علم کی خدمات کے پہلو کو ضرور سامنے رکھے۔ اس کے بغیر آج کی دنیا میں کسی تعلیم گاہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ساتھ ہی

علماء دیوبند کی بلند پایہ علمی تصانیف کو ادارہ اپنے لٹریچر کی حیثیت سے سامنے لانے کا اہتمام کرے اس سلسلے میں ایک عرب عالم کے ساتھ اپنا یہ واقعہ میں نہیں بھول سکتا کہ جب میں نے ان سے دارالعلوم کے اس منصوبہ کا ذکر کیا کہ یہاں تحقیق وریسرچ کا ایک مرکز قائم کیا جائے گا۔ پھر کسی قدر اہمیت کے ساتھ میں نے علماء دیوبند کی علم حدیث کے سلسلے میں امتیازی خدمات کا ذکر کیا اور فیض الباری۔ فتح الملہم۔ العرف الشذی۔ معارف السنن۔ بذل المجہود۔ اعلاء السنن وغیرہ کی خصوصیات کے ذکر کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع ہونے والی کتابیں مصنف عبدالرزاق، مسند سعید بن منصور، کتاب الزہد، مسند حمیدی اور المطالب العالیہ وغیرہ کا ذکر کیا۔ پھر ترجمان السنہ معارف الحدیث وغیرہ کا تذکرہ کیا۔ پھر علامہ انور شاہ کی کشف الستر اور نیل الفرقدین کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد شیخ عبدالفتاح کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہونے والی علماء دیوبند کی کتابوں۔ قواعد فی الحدیث۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح اور مبادی علم الحدیث و اصولہ وغیرہ کا ذکر کیا تو مجھے بڑی حیرت سے دیکھنے لگے۔ پھر فرمایا کہ "بھائی تمہارے یہاں تو دنیا کا سب سے بڑا تحقیق کا شعبہ قائم ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ ان کتابوں پر مرکز البحث العلمی بدارالعلوم لکھ دو۔"

پچھلے دو تین سالوں سے اللہ نے احقر کے لئے یہ سعادت مقدر کر رکھی ہے کہ عرب دنیا میں اپنے قلم اور زبان سے دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم کو متعارف کراؤں۔ اس سے قبل علامہ محمد یوسف بنوری مرحوم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر اور استاذ مکرم مولانا وحید الزمان کیرانوی کے ذریعہ بعض حلقوں میں دارالعلوم کے تعارف کی کوششیں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ علی گڑھ کے موجودہ صدر شعبہ دینیات جناب ڈاکٹر رضوان اللہ نے تو جامع ازہر میں اپنے پی ایچ ڈی کا مقالہ ہی دارالعلوم کے موضوع پر لکھا تھا۔

جن اشخاص اداروں اور جماعتوں کو عرب دنیا میں اب تک اثر و رسوخ حاصل رہا ہے اکثر و بیشتر دارالعلوم کے بارے میں ان کے رویہ میں رشک و رقابت بلکہ دشمنی و عناد کا جذبہ کارفرما رہا ہے جو درحقیقت ایک مخصوص قسم کی ذہنی کیفیت کا نتیجہ ہے جس کی تعبیر احساس کمتری کے علاوہ کسی لفظ سے نہیں ہو سکتی۔ اس رویہ کی بنا یہ ہے کہ وہ حلقے دارالعلوم کے سطح پر نمایاں ہونے کو اپنی موت تصور کرتے ہیں۔

اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ سے محض اظہار حقیقت مقصود ہے تاکہ دارالعلوم کے سلسلہ میں مثبت کام کرتے وقت یہ پہلو سامنے رہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود دارالعلوم کی عظمت اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ آج مختلف عرب یونیورسٹیوں میں دارالعلوم کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ فضلاء دیوبند میں ڈاکٹر اسماعیل عبدالرزاق جامعہ ازہر میں ڈاکٹر مصطفی اعظمی جامعۃ الریاض میں اور ڈاکٹر محمد مظہر بقا۔ اور ڈاکٹر عبدالصبور قاسمی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی میں بحیثیت

استاذ کام کر رہے ہیں۔

۱۳۹۷ھ میں جب الداعی کا دارالعلوم نمبر سامنے آیا تو کویت کے مشہور ہفت روزہ " البلاغ " نے دس صفحات پر مشتمل تفصیلی تعارف شائع کیا جس میں بڑی تفصیل کے ساتھ دارالعلوم کی علمی ودینی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ابوظہبی کے ماہنامہ" منارالاسلام" کے نامہ نگار عبدالفتاح سعید نے اپنے ماہنامہ میں دارالعلوم کا تفصیلی تعارف شائع کیا۔

اس کے علاوہ مجمع البحوث "الاسلامیہ کے اجتماعات اور رسالۃ المسجد کانفرنس میں مولانا سالم صاحب کی شرکت سے بھی خوش گوار اثر ہوا۔

پچھلے دنوں اجلاس صدسالہ کے سلسلے میں احقر نے اور مولانا محمد سالم صاحب نے کویت، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا تو تقریباً ہر حلقہ میں دارالعلوم کی آواز پہنچ گئی۔ اور ہر جگہ دارالعلوم کے وفد کی بڑی پذیرائی کی گئی۔ کویت کے تقریباً تمام ہی روزنامے، السیاسہ، القبس، الہدف، الرائی العام اور ہفتہ وار رسائل وجلات میں سے البلاغ، المجتمع وغیرہ نے خصوصی انٹرویو شائع کئے۔ وہاں کی وزارت اوقاف کا بھرپور تعاون بھی حاصل رہا۔

سعودی عرب کے پایۂ تخت ریاض میں وزیر عدل شیخ ابراہیم بن محمد کے علاوہ شیخ ابن باز، شیخ ابن حمید، شیخ ابن عقیل، شیخ عبداللہ ترکی اور شیخ محمد ناصر عبودی وغیرہ سے بڑی پرلطف ملاقاتیں رہیں۔ ان حضرات نے وفد کے مقصد سے گہری دلچسپی لی۔ اور ریاض سے شائع ہونے والے " الدعوۃ " نے بڑا طویل اور مفصل انٹرویو بھی شائع کیا۔ اسی طرح مدینہ یونیورسٹی۔ مکہ کی عبدالعزیز یونیورسٹی۔ رابطہ عالم اسلامی وغیرہ کے حلقہ میں دارالعلوم کا بڑا تعارف ہوا۔ ان حضرات کے لئے دارالعلوم کے سلسلہ میں بہت سی باتیں ایک نئی دنیا کی دریافت سے کم نہ تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ اجلاس صدسالہ کے موقع پر عالم عرب کی بڑی بھرپور نمائندگی رہی۔ ہر ادارہ نے اپنا ایک مؤقر وفد بھیجا۔ اور اجلاس سے پیشتر بھی اور اجلاس کے بعد بھی دارالعلوم کے سلسلہ میں مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین لکھے۔ اور اجلاس کے مفید اثرات کو واضح کیا۔

یہ دارالعلوم کے اجلاس کی خصوصیت تھی۔ کہ عالم عرب سے متعدد وزراء عالم اسلام کے نامور قاری اور بلند پایہ مفکرین اور علماء سبھی جمع ہوگئے تھے۔ سعودی عرب کے شاہ خالد کے نمائندہ کے علاوہ خاص طور پر کویت کی وزارت اوقاف، مصر کی وزارت اوقاف۔ مدینہ یونیورسٹی۔ رابطہ عالم اسلامی اور عمان، عراق اور شام وغیرہ کے نہایت ہی مؤقر وفود اجلاس کے لئے رونق افروز رہے۔

ان وفود نے دارالعلوم دیوبند کی عظمت و اہمیت کا جن وقیع الفاظ میں ذکر کیا ہے وہ ایک مستقل موضوع ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم عرب سے جو رشتہ قائم ہے اسے زیادہ وسعت دی جائے۔ اور ادارہ کو خاص منصوبہ اور پلان کے مطابق آنے والے ایام میں اور زیادہ مؤثر اور ترقی یافتہ بنایا جائے۔ اور اس کا علمی و ثقافتی رشتہ دنیا کے تمام علمی و دینی مراکز سے قائم کیا جائے۔

خوشی کی بات ہے کہ اجلاس صد سالہ نے بعض نئے شعبوں کے قیام۔ فضلا کی تنظیم۔ مدارس کے وفاق وغیرہ سے متعلق تجاویز منظور کی ہیں۔ جن سے امید کی کرن پھوٹتی ہے۔ کہ دارالعلوم کو حیات نو حاصل ہوگی۔ اور آنے والی صدی میں امت کی قیادت کا فریضہ پورے حوصلہ اور ولولہ کے ساتھ علماء دیوبند کے ہاتھوں انجام پائے گا۔ اور ساری دنیا کے علمی اور دینی مراکز سے دارالعلوم کا رشتہ اور بھی زیادہ مستحکم ہو جائے گا۔ لیکن ضرورت ہے مثبت کام اور فوری اقدام کی۔

بقیہ: امام اعظم ابو حنیفہؒ

حضرت زید بن ثابتؓ ارشاد فرماتے ہیں:۔

فادع اهل الرائے ثم اجتهد و اختر لنفسك ولا حرج	تم اہل رائے کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لئے مناسب حکم اختیار کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(سنن کبریٰ ج ۱۰۔ ص ۱۱۵)	

حضرت عمر بن عبدالعزیز قاضی کے لئے جو پانچ شرطیں لگاتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ

مستشیر الذی الرای	رائے والے سے مشورہ لینے والا ہو	(مقام ابی حنیفہ)

حضرت حباب بن منذر کی بدر کے موقعہ پر رائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر قبول کر لی تھی۔ (مقام ابی حنیفہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ بڑے صاحب الرائے تھے چنانچہ لوگ ان کو مغیرۃ الرای کہتے تھے۔ (مستدرک ج ۳ ص ۴۴۷ بحوالہ مقام ابی حنیفہ)

ماننے والوں کے لئے تو ایک صحابی کا اجتہاد و استنباط بھی کافی ہے جب کہ وہ قرآن و حدیث سے متصادم نہ ہو۔ اور نہ اس پر کسی صحابی سے نکیر آئی ہو۔ مگر خدا "نہ ماننے والوں" کا بھی بھلا کرے جو نہ ماننے کی بھی آخری حد پر اتر آئے اور یہاں تک اتر آئے کہ قرآن و سنت، خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ سے ثابت شدہ اجماعی مسئلہ کا بھی انکار اور پھر انکار ہی پہ اصرار کر بیٹھے۔ مگر یہ فطری اور ازلی تقسیم باعث تعجب کیوں ہو؟ اگر "نہ ماننے والے" نہ ہوتے تو "ماننے والوں" کو خود ماننے، ثابت کرنے، بتانے، سمجھانے اور پھر منوانے کا ثواب کیونکر ملتا ع اس بھاؤ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا۔ (باقی آئندہ)